

○ رمضان المبارک ○ روزہ ○ زکوٰۃ ○ صدقۃ الفطر ○ اعتکاف

○ شب قدر ○ تراویح اور ترویحہ سے متعلق احکام و مسائل اختصار و استناد کے ساتھ

مرتب

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم (ٹرسٹ) حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

برادران اسلام!

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے حد کرم، بے انتہا احسان ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے ہمیں ایک بار پھر رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں و مقدس لمحوں سے ہمکنار کیا۔

کتنے بھائی ہیں جو سال گزشتہ اس نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ میں ہمارے شریک تھے اور اب وہ اعمال کی توفیق سے محروم ہو کر برزخ میں محو خواب ہیں لیکن اللہ پاک ہمیں تہذیب اخلاق و اصلاح احوال کے لیے ایک اور زریں موقع عنایت فرما رہے ہیں۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ خوش نصیب و خوش بخت ہیں وہ جو ان گھڑیوں کی قدر کرلیں اور زندگی کی تھوڑی سی ترتیب بدل کر اس ماہ کی رحمتوں اور مغفرت کی وسعتوں سے مالامال ہونے کے لیے تیار و آمادہ ہو جائیں (جس میں رب العزت نے نوافل کو فرائض اور فرائض کو ستر گنا زائد کا درجہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا) بڑے ہی محروم ہیں وہ، جو دنیا کی مٹنے والی راحتوں اور فنا ہونے والی عزتوں کی خاطر ایسے موسم بہار میں بھی ٹس سے مس نہ ہوں اور رمضان کے مقدس و مبارک ایام ان پر سے گزر جائیں مگر وہ کچھ حاصل نہ کر سکیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک موقعہ پر جبرئیلؑ نے اس محروم پر ہلاکت کی بددعا فرمائی جس نے رمضان المبارک میں بھی ایسے اعمال نہ کیئے جس سے وہ مغفرت کا مستحق ہو سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمائی۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی کا کہ ملائکہ کے سردار بددعا فرمائیں اور انبیاءؑ کے سردار آمین کہیں (اللہ ہماری اس محرومی سے حفاظت فرمادیں) یہی وجہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرامؓ، اولیا، علماء اور صلحاء امت ہمیشہ

رمضان المبارک کی تیاری ہفتوں پہلے سے شروع فرمادیتے تھے۔ اور رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی تمام اذکار و مشاغل سے یکسو ہوکر عبادت الٰہی و طاعت خداوندی میں منہمک و مصروف ہوجاتے تھے۔ تلاوت قرآن، کثرت ذکر سے ہر وقت رطب اللسان رہتے۔ نیز دعاؤں کا شدت سے اہتمام فرماتے۔

مگر کس قدر افسوس ناک اور کس درجہ اندوہناک ہے امت کا یہ حادثہ کہ ہمارے زمانہ میں رمضان شریف کا اہتمام کم ہوتا جارہا ہے۔ اور جہاں ہورہا ہے وہاں خرافات و محدثات کی کثرت، روش سنت سے انحراف اور طریق سلف سے اختلاف بکثرت پایا جارہا ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

نوجوان، روزہ کی نعمت کو مصیبت سمجھ رہے ہیں۔ امراء و رؤساء اسے مفلسین و مساکین کا حق تصور کررہے ہیں۔ ہوٹلوں بازاروں میں مسلمان بلا تکلف خورد و نوش میں مصروف نظر آرہے ہیں۔ روزہ کا تو یوں ناس ہوا، تراویح کو علی العموم عوام میں تھکن و تھکاوٹ کے بہانے اور تعلیم یافتہ طبقہ میں ضروری غیر ضروری کی تقسیم، آٹھ اور بیس کی تعیین کے بہانے ترک کیا جارہا ہے۔

رہ گئے دیگر اعمال و اشغال۔ تلاوت قرآن و ذکر رحمان، انفاق فی سبیل اللہ دعوت الی اللہ کے کاموں میں اس ماہ مبارک کی نسبت سے اضافہ کا کرنا تو اس پر پیداوار مولویت، دقیانوسیت اور قدامت کا فتویٰ لگا کر بے ضرورت و بے حیثیت قرار دیا جارہا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ان ملحدانہ خیالات و فاسقانہ نظریات کی زبان و قلم کے ماہرین سرپرستی کررہے ہیں اور اعمال سے کترانے، مال پر اترانے والے دولت مند دل کھول کر ان کی اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں۔

اب ایک طرف امت کی یہ بڑھتی ہوئی بے دینی اور ترقی کرتی ہوئی غفلت کو دیکھ کر، دوسری جانب مجسم رافت و سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت اور اس کی نسلوں کی خاطر شب و روز کی کوشش و کاوش اور صبح و شام کی جدوجہد کو سوچ کر ہر ہوشمند و عقلمند مسلمان کا قلب مضطرب اور روح بے چین ہوجاتی ہے اور حمیت ایمانی و غیرت اسلامی پکار اٹھتی ہے۔

اے بسرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

ایسے حالات میں مسلمانوں کے پنپنے اور سنورنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت و کتب دینیہ کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔ لیکن ان کاموں کے لیے اولاً تو رغبت نہیں۔ رغبت ہو تو فرصت نہیں ہے۔

چنانچہ رمضان شریف اور اس کے متعلقہ فضائل و مسائل کی کتابوں کی بھی کمی نہیں لیکن ذوق مطالعہ کے فقدان کی وجہ سے عوام ان سے استفادہ کرنے سے محروم ہیں۔ اس لیئے اگلے صفحات میں اس ناکارہ نے نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ انھیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ بیک مجلس انھیں پڑھا جاسکے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو قبول فرما کر ذریعہ ہدایت اور وسیلہ نجات بنادیں۔

محمد عبدالقوی
(ناظم جامعہ اشرف العلوم حیدرآباد)



باب اول فضائل رمضان کے بیان میں

رمضان المبارک

جب رمضان المبارک شروع ہوتا ہے تو

(۱) جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔[1]

(۲) شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔[2]

(۳) ہر شب کو ایک منادی پکارتا ہے۔ اے خیر کے چاہنے والے آگے بڑھ اور شر کا ارادہ کرنے والے پیچھے ہٹ۔[3]

(۴) اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک کی برکت سے بے حساب آدمیوں کو دوزخ سے خلاصی نصیب فرماتا ہے۔[4]

(۵) اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔[5]

(۶) نفل کام کا اجر فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے بقدر عطا کیا جاتا ہے۔[6]

(۷) اس مہینہ کو صبر و غم خواری کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔[7]

(۸) اس ماہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔[8]

(۹) اس مہینہ کا عشرہ اول رحمت، عشرہ ثانی مغفرت اور عشرہ آخر دوزخ سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔[9]

(۱۰) اس مہینہ کی آخری رات میں اللہ تعالیٰ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روزہ داروں کے لیے مغفرت کا اعلان فرماتے ہیں۔[10]

(۱۱) اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہو جاتے ہیں۔ خاص رحمت نازل فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے ہیں۔ اور دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔[11]

(۱۲) ہر شب و روز میں مسلمان کی ایک دعا تو ضرور قبول ہوتی ہے۔[12]

(۱۳) بندوں کا ایک دوسرے سے اعمال میں بڑھنے کی کوشش کرنا دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے اور فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں۔[13]

(۱۴) اس مہینے کی ہر رات میں ایک پکارنے والا خدا کی طرف سے پکارتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا ہے! کہ میں اس کو دوں۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا! کہ میں اس کو معاف کر دوں۔ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا! کہ میں اس کو بخش دوں۔[14]

(۱۵) اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں اسی ماہ مبارک میں نازل ہوئیں۔

۱۔ بخاری ۳۲/۳ ۲۔ بخاری ۳۲/۳ ۳۔ ترمذی ۳۹/۱ ۴۔ ترمذی ۳۹/۱

۵۔ سورۃ القدر ۶۔ مشکوٰۃ ۱۷۳/۱ ۷۔ مشکوٰۃ ۱۷۳/۱ ۸۔ مشکوٰۃ ۱۷۳/۱

۹۔ مشکوٰۃ ۱۷۳/۱ ۱۰۔ مشکوٰۃ ۱۷۳/۱ ۱۱، ۱۲، ۱۳۔ فضائل رمضان بحوالہ طبرانی

روزہ

(۱) جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ کا نام ریان ہے وہ صرف روزہ داروں کے لیے ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔[۱]

(۲) جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھے اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔[۲]

(۳) روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال (بچانے والا) ہے۔[۳]

(۴) روزہ دار کی منہ کی بدبو جو (خلوئے معدہ سے پیدا ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔[۴]

(۵) روزہ دار کو دو خاص خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو افطار کے وقت دوسرے قیامت میں خدا سے ملنے کے وقت۔[۵]

(۶) روزہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کی سفارش کرتا ہے کہ میں نے اس کو کھانے پینے اور شہوات کی تکمیل سے روکے رکھا ہے۔ اب آپ میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائیے، تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں۔[۶]

(۷) روزہ دار کے لیے افطار تک مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعا کرتی رہتی ہیں۔

(۸) حاملین عرش کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی عبادت چھوڑ کر روزہ دار کی دعاؤں پر آمین کہا کریں۔

(۹) روزہ دار کی دعا کو اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں فرماتے۔

(۱۰) رمضان کے بعد چھ روزے شوال میں اور رکھ لے تو اللہ تعالیٰ پورے سال کے روزوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔[۷]

سحری

(۱) اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔[۸]

(۲) فرشتے ان پر رحمت کی دعا کرتے ہیں۔[۹]

(۳) سحری میں برکت ہے۔[۱۰]

(۴) اہل کتاب اور مسلمانوں کے روزوں کے درمیان سحری ہی کا فرق ہے۔[۱۱]

افطار

(۱) جب تک لوگ (وقت ہونے کے بعد) افطار میں جلدی کرتے رہیں گے خیر کے ساتھ رہیں گے۔[۱۲]

(۲) (وقت ہوجانے کے بعد) افطار میں جلدی کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔[۱۳]

(۳) افطار کے وقت خدا کی طرف سے روزہ دار کو (ایک خاص طرح کی) خوشی حاصل ہوتی ہے۔[۱۴]

(۴) افطار کے وقت روزانہ ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

افطار کرانا

(۱) روزہ دار کو افطار کرانے سے اللہ تعالیٰ افطار کرنے والے کے گناہ بخش دیتے ہیں۔ دوزخ کی آگ سے خلاصی نصیب ہوتی ہے اور افطار کرانے والوں کے ثواب میں کمی کئے بغیر ان سب کے برابر اجر اللہ تعالیٰ افطار کرانے والے کو عطا فرماتے ہیں۔[۱۵]

(۲) روزہ دار کو پانی پلانے والے کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ اس کو قیامت کے دن حوض کوثر سے پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخلہ تک اس کو پیاس نہیں لگے گی۔ [15]

قیام لیل

(۱) رمضان شریف کی راتوں میں عبادت کرنے والے کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [16]

(۲) رمضان شریف کی راتوں میں (عبادت اور نمازوں کے لیئے قیام کو اللہ تعالی نے (تطوع) کا ثواب فرمایا ہے۔

(۳) نیز تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ [18]

شب قدر

(۱) شب قدر میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ عبادت میں مشغول رہیں تو پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ [19]

(۲) شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ [20]

(۳) شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا ہے۔ [21]

(۴) جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ دنیا میں نازل ہوتے ہیں۔ [22] اور وہ ہر عبادت کرنے والے پر رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

(۵) جبرئیلؑ کے سو بازو ہیں جن میں سے وہ دو کو صرف شب قدر میں کھولتے ہیں۔ جو مشرق و مغرب تک پھیل جاتے ہیں۔ [23]

(۶) فرشتے عبادت گزاروں سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ [25]

(۷) اللہ تعالی بندوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور انھیں معاف فرماتے ہیں۔ [26]

(۸) اس رات کی برکتیں حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش کا خود اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو حکم فرماتے تھے۔ [27]

(۹) شب قدر کی برکتوں سے جو محروم رہ گیا وہ تمام ہی خیر سے محروم رہا۔ [28]

اعتکاف

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک برابر رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف کا اہتمام فرماتے رہے۔ اور وفات والے سال تو بیس یوم اعتکاف فرمایا۔ [29]

(۲) معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) اور اس کیلئے اس قدر نیکیاں لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والوں کیلئے لکھی جاتی ہیں

(۴) اگر کوئی ایک دن بھی خدا کی رضا کی خاطر اعتکاف کرے تو اللہ تعالی اس کے اور دوزخ کے درمیان تین بڑی بڑی خندقیں کھود دیتے ہیں۔

رمضان سے غفلت ناقابل تلافی نقصان

رمضان المبارک اور اس کے اعمال سے متعلق فضائل کی تفصیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ان اعمال سے اور اس مبارک مہینے کی رحمتوں سے غفلت کرنے اور لاپرواہی برتنے والوں کے حق میں آپ نے سراپا شفقت و مجسم رحمت ہونے کے باوجود جو شدید وعیدیں سنائی ہیں اسے بھی پڑھتے چلئے تاکہ ہمیں عمل و جہد میں ساعی اور کوشاں رہنے...... اور غفلت سے بچنے میں مدد مل سکے۔

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قریب کر کے منبر مبارک پر تشریف لے جا رہے تھے ۔ جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو آمین فرمایا پھر دوسری اور تیسری پر بھی اسی طرح آمین فرمایا۔ جب آپ نیچے اترے تو صحابہ کرامؓ کے استفسار پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیلؑ نے کہا ہلاک ہو جیو وہ شخص جو رمضان کو پائے مگر اس کی کما حقہ قدر کر کے اپنی مغفرت نہ کرالے تو میں نے آمین کہا۔ (پھر مجھ سے میرے ذکر کے وقت درود نہ پڑھنے اور والدین کو ان کے بڑھاپے میں ناراض کرنے والے پر یہی بددعا کی اور میں نے آمین کہی) ایک حدیث میں ہے جو شخص رمضان کی برکتوں سے محروم رہا وہی حقیقی محروم بدنصیب ہے[۲۱] ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر بھی فضول کاموں اور جھوٹی باتوں سے نہ بچے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔[۲۲]

ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر عذر کے رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے تو پوری عمر کے روزوں سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص شب قدر کے خیر سے محروم رہا سارے ہی خیر سے محروم رہ گیا۔ ان احادیث سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ رمضان المبارک کی مبارک و مسعود ساعات میں غفلت کرنا اپنا ہی کچھ بگاڑ لینا اور زبردست نقصان وخسران کا سامنا کرنا ہے ۔

---

۱ بخاری ۳۲/۳ ۲ مشکوۃ ۱۷۳/۱ ۳،۴ بخاری ۳۱/۳ ۵ بخاری ۳۳ ۶ مشکوۃ ۱۷۳/۱
۷ مسلم ۱۲۹/۳ ۸،۹ معارف الحدیث ۱۳۱/۴ ۱۰ بخاری ۳۸/۳ ۱۱ ترمذی ۲۱۹/۱
☆ بخاری ۳۷/۳ ۱۲ ترمذی ۱۳ مشکوۃ ۱۷۳/۱ ۱۴ ترمذی ۱۳۳/۱ ۱۵ مشکوۃ ۱۷۳/۱
۱۶ ترمذی ۲۰۹/۱ ۱۷ ردالمحتار ۵۳۰/۱ ۱۹ بخاری ۵۹/۳ ۲۰، ۲۱، ۲۲ سورۃ القدر
۲۳، ۲۵ بخاری ۹۰/۳ ۲۶ بخاری ۳۳/۳ ۲۷ مسلم ۱۷۵/۳ ۲۸ مشکوۃ ۱۸۳/۱
۲۹ فضائل رمضان عن طبرانی ۵۴ ۳۰، ۳۱، ۳۲ بخاری ۳۳/۳

اوقات کو کس طرح گزاریں......؟

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کی کثرت کریں خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیلؑ کے ہمراہ قرآن مجید کا دور فرماتے تھے۔

(۲) نوافل واذکار میں اپنی ہمت کے بقدر اضافہ کر دیں۔

(۳) مسلمانوں کی حاجات و ضروریات کی فکر اور ان کی پریشانیوں کے شریک ہو جائیں۔

(۴) کسی سے تکلیف پہنچے تو صبر کریں اور خود کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

(۵) کوئی ہم سے جھگڑے اور فضول بحث ومباحثہ میں مبتلا کرنا چاہے تو کہہ دیں کہ میرا روزہ ہے۔

(۶) گالی گلوج بلکہ فضولیات سے بھی اپنی حفاظت رکھیں۔

(۷) جھوٹ ہرگز نہ بولیں۔ اور نہ کسی کی غیبت کریں۔

(۸) محققین کے نزدیک شب قدر کسی تاریخ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لیے ہر شب کچھ نہ کچھ عبادت کرنے کی کوشش کر لیں تاکہ اگر وہی شب قدر ہو تو ہمیں اس کی برکتوں سے حصہ مل جائے۔

(۹) نفل کاموں کا ثواب چوں کہ فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ اس لیے جس قدر ہو سکے ضرورت مندوں کی مالی مدد بھی کریں۔

(۱۰) اپنے خدام اور ماتحتوں کے کام اور ذمہ داریوں میں تخفیف کریں۔

(۱۱) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور استغفار کی کثرت کریں۔

(۱۲) جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگتے رہیں۔

(۱۳) نہایت عاجزی اور تواضع سے دعاؤں کا اہتمام رکھیں۔

(۱۴) اخبار بینی وغیرہ جیسے مباح کاموں میں بھی وقت کم سے کم لگائیں۔

(۱۵) ویڈیو، ٹی وی، سینما نہ دیکھیں اسی طرح ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کے ذریعہ گانے وغیرہ سننے سے سخت پرہیز کریں۔

(۱۶) تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا خاص اہتمام کریں۔

(۱۷) ہوسکے تو پورے عشرہ اخیر کے اعتکاف کا اہتمام کریں ورنہ جس قدر بھی موقعہ ملے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں گزارا کریں۔ خواتین بھی اپنے گھر میں جگہ متعین کرکے معتکف ہوسکتی ہیں۔ بلکہ انھیں بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

(۱۸) بندوں کو دین کی دعوت دینے اور ان تک حق کو پہنچانے میں اپنی ہمت سے جس قدر ہوسکے کمی نہ کریں۔

(۱۹) نگاہ کی حفاظت، پردہ کا خاص اہتمام اور نامحرم سے بلاضرورت بات کرنے سے سختی کے ساتھ بچیں۔

(۲۰) چڑچڑے پن، چیخ وپکار اور اہل وعیال اسی طرح ماتحتوں پر ظلم وزیادتی سے اپنی حفاظت رکھیں۔

یہاں تک رمضان شریف اور روزہ وغیرہ سے متعلق فضائل کا بیان تھا اب آگے ان ہی امور سے متعلق مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔

باب دوم مسائل رمضان کے بیان میں

روزہ کا حکم تعریف اور نیت

مسئلہ (۱) رمضان شریف کے روزے اسلام کا تیسرا رکن ہیں۔ ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔ ان کا انکار کرنے والا کافر (بلاعذر شرعی) ترک کرنے والا فاسق ہے

مسئلہ (۲) عبادت کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ [۱]

مسئلہ (۳) نیت کرنا روزہ کے صحیح ہونے کے لیئے شرط ہے تاکہ عادت اور عبادت میں تمیز ہوسکے۔ [۲]

مسئلہ (۴) صرف دل سے نیت کرنا شرط ہے الفاظ کہنا شرط نہیں۔ البتہ کہہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔ [۳]

مسئلہ (۵) رمضان شریف کے روزہ کی نیت رات سے کرلینا افضل ہے۔ ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل تک بھی کرلینے سے نیت صحیح ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ [۴]

مفسدات

مسئلہ (۶) ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

(۱) روزہ میں قصداً کھانا (۲) پینا (۳) بیوی سے صحبت کرنا (۴) نیز اگر کسی نے سرمہ لگاکر یا فصد لے کر یا تیل ڈال کر یہ سمجھ لیا کہ شاید میرا روزہ اس سے ٹوٹ گیا ہو

---

(۱) ہدایہ ۱/۱۹۶ (۲) ردالمحتار ۱/۳۹۹ (۳) ایضاً (۴) جواہر الفقہ ۱/۳۷۸، ۳/۳۷۸ ع جواہر الفقہ

اور پھر قصداً کھا پی لیا تو اس پر بھی قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ [1]

مسئلہ (۷) کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے بلا ناغہ مسلسل رکھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ [2]

مسئلہ (۸) ان چیزوں سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر صرف قضاء واجب ہوتی ہے۔ کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا۔ (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادتاً کھائی نہیں جاتی مثلاً تانبہ پیتل، لکڑی، لوہا یا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔ (۶) لوبان، عود، اگر بتی وغیرہ کا دھواں قصداً حلق میں پہنچانا، سگریٹ، بیڑی بھی اسی حکم میں ہیں (۷) بھول کر کھا پی لینے کے بعد یہ سمجھ کر کہ شاید روزہ ٹوٹ گیا قصداً کھا پی لینا (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھانا۔ [3] (۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے آفتاب غروب ہو گیا سمجھ کر افطار کر لینا۔

مکروہات

مسئلہ (۹) ان کاموں سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں مکروہ (ناپسندیدہ) ہو جاتا ہے

(۱) بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا۔

(۲) ٹوتھ پیسٹ، منجن یا کوئلے سے دانت صاف کرنا (۳) دن بھر حالت جنابت (ناپاکی) میں رہنا۔ فصد کرانا، خون دینا بھی اسی میں داخل ہے۔ (۴) روزہ میں گالی گلوچ وغیرہ کرنا۔ [4]

(۱) ردالمحتار ۱/۵۲۰ (۲) ایضاً (۳) عمدۃ الفقہ ۳/۳۹۶ (۴) جواہر الفقہ ۱/۳۸۰

مباحات

مسئلہ (۱۰) ان چیزوں سے روزہ نہ ٹوٹتا ہے نہ مکروہ ہوتا ہے (۱) مسواک کرنا (خواہ اس کی کڑواہٹ حلق میں محسوس ہو) (۲) سر میں تیل لگانا (۳) سرمہ لگانا یا آنکھ میں دوا ڈالنا (اگرچہ اس کا رنگ تھوک میں محسوس ہو) (۴) گرمی یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے غسل کرنا (۵) خوشبو سونگھنا (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا (۷) بھول کر کھانا پینا (۸) حلق میں بلا اختیار مکھی دھواں یا گرد و غبار وغیرہ کا چلا جانا (۹) کان میں پانی چلا جانا یا قصداً ڈالنا (۱۰) خود بخود قے ہو جانا (۱۱) سوتے ہوئے احتلام ہو جانا (۱۲) دانتوں سے خون نکلے مگر حلق میں نہ جائے تو اس سے بھی روزہ میں خلل نہیں آتا (۱۳) خواب میں یا صحبت کی وجہ سے غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق سے پہلے غسل کئے بغیر روزہ کی نیت کر لی تو اس سے بھی روزہ میں خلل نہیں آتا۔

مستحبات

مسئلہ (۱۱) مندرجہ ذیل چیزیں مستحب ہیں اور بعض ان میں سے بعض کے نزدیک سنت بھی ہیں۔

(۱) سحری کھانا اگرچہ کہ ایک کھجور یا پانی ہی ہو۔ (۲) سحری آخری وقت میں کھانا۔ (۳) روزہ کی نیت کا زبان سے کرنا۔ (۴) افطار میں (وقت ہونے کے بعد) جلدی کرنا۔ (۵) چھوارے یا کھجور سے یا کسی میٹھی چیز سے افطار کرنا۔ (۶) افطار میں کسی اور روزہ دار کو شامل کر لینا۔ (۷) اپنے اعضاء کو مکروہات سے بچانا۔ (۸) مسواک کا اہتمام کرنا۔ (۹) عبادات و خیرات میں اور دنوں کے مقابلہ میں کثرت کرنا۔ (۱۰) روزہ میں ان چیزوں سے بچنا جن سے دوسرے اماموں کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے [1]

[2] جواہر الفقہ ۱/۳۷۹ [1] عمدۃ الفقہ ۳/۴۴۱

عذرات

مسئلہ (۱۲) ان عذروں کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا درست ہے لیکن بعد میں قضاء کرنا واجب ہے۔

(۱) ایسا مرض جس سے اپنی جان یا اپنے کسی عضو کے ہلاک ہو جانے یا مرض کے بڑھ جانے یا دیر سے درست ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

(۲) وہ مسافر جو کم از کم (۴۸) اڑتالیس میل دور جانے کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر روزہ رکھنے میں اپنے کو یا ساتھیوں کو تکلیف و دقت کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے ورنہ روزہ رکھنا افضل ہے۔

(۳) ایسی مجبوری کہ جس میں قتل کی دھمکی کے ذریعہ روزہ سے باز رکھا گیا ہو۔

(۴) وہ حاملہ عورت جسے روزہ رکھنے میں اپنے یا بچہ کی جان کو خطرہ ہے۔

(۵) وہ دودھ پلانے والی عورت جس کو روزہ رکھنے میں دودھ کے خشک ہو جانے یا حرارت بنارہ کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے بچہ کو یا خود کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

(۶) اس قدر شدید بھوک یا پیاس کہ ہلاکت کا خوف ہو۔

(۷) اس قدر بڑھاپا یا ایسا مرض کہ ضعف و ناتوانی کی وجہ سے روزہ پر قدرت ختم ہو جائے اور صحت و قوت کے لوٹنے سے مایوسی ہو جائے۔

(۸) عورت کے ایام حیض (ناپاکی کے دنوں میں) اور نفاس (بچے کے پیدا ہونے کے بعد خون جاری رہنے کے دوران) روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ بعد میں قضاء کرے۔[2]

مسئلہ (۱۳) روزہ کی نیت کے بعد سفر پیش آئے تو اب توڑنا درست نہیں باقی تمام

(۲) ایضاً

اعذار درمیان روزہ میں بھی پیش آویں تو روزہ کا توڑ دینا جائز ہے۔

مسئلہ (۱۴) مرض وغیرہ کا مہلک ہونا اپنے یا کسی اور کے تجربے سے یا ظن غالب جو کہ یقین کے درجہ میں ہوتا ہے یا پھر مسلمان طبیب حاذق کے کہنے سے معتبر ہوگا۔ محض وہم و گمان اور اٹکل کی وجہ سے روزہ توڑنا درست نہیں۔

مسئلہ (۱۵) شیخ فانی (بہت بوڑھا) اور مایوس الصحت مریض روزوں کا فدیہ ادا کریں۔ پھر اگر صحت و قوت لوٹ جائے تو قضاء بھی کریں۔ (اس صورت میں فدیہ کا ثواب علحدہ ملے گا)

مسئلہ (۱۶) ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقہ فطر ہے (یعنی پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت)[1]

تراویح

مسئلہ (۱۷) رمضان شریف میں عشاء کی فرض اور وتر کے درمیان بیس رکعت نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا عورتوں اور مردوں پر سنت مؤکدہ ہے۔[2] (اس رسالہ کے آخر میں اس کے تفصیلی دلائل ملاحظہ فرماویں)۔

مسئلہ (۱۸) پورے رمضان میں تراویح میں ایک کلام پاک کا پڑھنا یا سننا سنت ہے۔ دو ختم کرنا فضیلت ہے اور تین کلام پاک کا ختم کرنا افضل ہے۔ بشرطیکہ رغبت اور عظمت سے سنا جائے۔[3]

مسئلہ (۱۹) اگر کسی جگہ بلا اجرت تراویح سنانے والا نہ ملے تو "الم ترکیف" سے پڑھ لے۔ کیوں کہ اس کے لیے اجرت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔[4]

(۱) عمدۃ الفقہ ۳۲۸/۳ (۲) کبری ص ۳۶ (۳) ردالمحتار ۳۲۱/۱ (۴) جواہر الفقہ ۳۸۴/۱

مسئلہ (۲۰) داڑھی کترواتے یا منڈوانے یا کسی اور کھلے فسق میں مبتلا شخص کو امام بنانا درست نہیں۔ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔[۲]

مسئلہ (۲۱) کلام پاک کو اس قدر تیز پڑھنا کہ حروف کٹنے لگیں صحیح نہیں ہے اور بڑے گناہ کی بات ہے۔ آج کل عام طور پر کم مدت میں سننے سنانے کے شوق میں کلام پاک کی بڑی بے ادبی کی جارہی ہے اس سے نہ سنانے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ سننے والے کو۔[۳]

مسئلہ (۲۲) اگر کسی کی تراویح کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں تو امام کے ساتھ وتر میں شریک ہوجائے۔ اور اس کے بعد چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھ لے۔[۴]

مسئلہ (۲۳) نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں ہے۔[۵]

مسئلہ (۲۴) اگر امام کے ساتھ عشاء کی نماز نہ ملے تو تنہا چار رکعت فرض اور دو رکعت سنت پڑھ کر تراویح اور وتر میں امام کے ساتھ شریک ہوجانا درست ہے۔[۶]

مسئلہ (۲۵) نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر بیٹھنا جتنی دیر چار رکعت پڑھنے میں لگی ہے مستحب ہے۔[۷] اس سے کم بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اس میں اختیار ہے چاہے تنہا نوافل پڑھے، تسبیح پڑھے، تلاوت کرے یا خاموش رہے۔ کسی اجتماعی ذکر کی سختی سے پابندی کرنا یا مخصوص اوراد و اذکار باجہر پڑھنا غلط بے بنیاد اور طریق سلف کے بالکل خلاف ہے۔ اس بارے میں دیوبندی اور بریلوی کا جھگڑا بتانا نادانی ہے۔ دونوں کی کتابوں میں بڑوں سے اس مسئلہ میں صراحتاً یہی حکم موجود ہے۔[۸]

مسئلہ (۲۶) قرآن مجید ختم ہوجانے کے بعد بھی مہینہ ختم ہونے تک تراویح کا پڑھتے رہنا ضروری ہے۔[۹]

(۲) فتاویٰ رحیمیہ ۱/۲۲۲ (۳) جواہر ۱/۲۸۷ درالمختار ۱/۲۱۵ (۵) جواہر الفقہ ۱/۲۸۷ (۶) فتاویٰ رحیمیہ (۷) ایضاً (۸) جواہر الفقہ (۹) جواہر الفقہ

اعتکاف

مسئلہ (۲۷) رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر محلہ میں سے ایک شخص بھی اعتکاف نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ایک بھی کرلے تو کافی ہوگا۔[۱]

مسئلہ (۲۸) اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رکے رہنے اور بلاضرورت شرعی و طبعی باہر نہ نکلنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔[۲]

مسئلہ (۲۹) ضرورت شرعی (مثلاً نماز جمعہ) اور ضرورت طبعی (جیسے پیشاب، پاخانہ) کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے۔ کھانا بھی ضرورت طبعی میں داخل ہے۔ بشرطیکہ کوئی لانے والا نہ ہو۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ ضرورت پوری ہوتے ہی واپس ہوجائے۔[۳]

مسئلہ (۳۰) بلاضرورت شرعی یا طبعی، مسجد سے اگر باہر نکلے تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔[۴]

مسئلہ (۳۱) جمعہ یا ٹھنڈک کے لیے غسل کرنے کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا درست نہیں ہے۔[۵]

مسئلہ (۳۲) مردوں کو اذان و جماعت والی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے اور عورتیں اپنے گھر میں جگہ متعین کر کے اعتکاف کریں۔[۶]

مسئلہ (۳۳) حالت اعتکاف میں بے ضرورت کام یا دنیوی کام کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے تلاوت، ذکر، دینی کتب کے مطالعہ وغیرہ میں اوقات صرف کریں۔

زکوۃ

مسئلہ (۳۴) ۷½ تولہ سونا یا ۵۲½ تولہ چاندی یا ۵۲½ تولہ چاندی کے بقدر نقد رقم پر زکوۃ

۱۔ الفقہ ۳ ۲۔ ہدایہ: ۱/۲۱۰ ۳۔ ہدایہ: ۱/۲۰۹ ۴۔ ایضاً: ۱/۲۱۰ ۵۔ ہدایہ: ۱/۲۰۹

واجب ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس پر سال گزر جائے۔[۱]

مسئلہ (۳۵) کسی کے پاس تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر ہوتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔[۲]

مسئلہ (۳۶) سونا چاندی اگر خالص نہیں ہے بلکہ دوسری دھات بھی ملی ہوئی ہے تو ان میں سے جو دھات غالب ہے اس پر اس کا حکم لگے گا مثلاً اگر سونا غالب ہے تو سونا سمجھا جائے گا اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور اگر پیتل غالب ہے تو پیتل کا حکم لگے گا۔[۳]

مسئلہ (۳۷) سونے چاندی کے زیور، برتن گوٹ ٹھپہ وغیرہ سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی چاہے انھیں استعمال کیا جا رہا ہو یا نہ کیا جا رہا ہو۔[۴]

مسئلہ (۳۸) سونا چاندی کے علاوہ اور جو سامان ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں چاہے جتنی قیمت کا ہو جائے۔ البتہ یہ یا اور کوئی سامان تجارت کے لیے ہوں تو اگر ان کی قیمت ۵۲/۱ تولہ چاندی کے بقدر یا زائد ہے تو اس پر بھی سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔[۵]

مسئلہ (۳۹) جس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ ادا کر دے تو بھی جائز ہے اور جس نے سال گزرنے کے بعد بھی زکوٰۃ نہیں دی تو اس کے ذمہ واجب الادا رہے گی عمر بھر میں کبھی بھی ادا کرنا لازم ہے۔[۶]

مسئلہ (۴۰) مال کا چالیسواں حصہ یعنی ۲/۱ ۲ فی صد زکوٰۃ میں ادا کرنا واجب ہے۔[۷]

مسئلہ (۴۱) زکوٰۃ کی رقم جملہ رقم سے علحدہ کرتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت دل میں ہونا ضروری ہے ورنہ ادا نہ ہوگی۔[۸]

مسئلہ (۴۲) زکوٰۃ کی رقم کئی غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں اور اکٹھی ایک غریب کو بھی

(۱) جواہر الفقہ ۱/۳۸۲ (۲) ایضاً (۵) بہشتی زیور ۳/۲۵ (۴) بہشتی زیور ۳/۲۵ (۳) ہدایہ ۱/۱۷۵

دے سکتے ہیں البتہ اتنا نہ دے کہ خود اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ (۴۳) اگر کسی نے کسی اور کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا اور اس نے ادا کر دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ لیکن اگر بغیر کہے کسی نے زکوٰۃ ادا کر دی اور اس کے بعد اسے معلوم ہوا اور وہ اس سے راضی ہو گیا تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔[۳]

مسئلہ (۴۴) زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنوانا یا کسی رفاہی کام میں خرچ کرنا یا کسی لاوارث کا گور و کفن کا انتظام کرنا درست نہیں ہے۔[۴]

مسئلہ (۴۵) اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (دادا دادی، نانا نانی اسی طرح اوپر تک) اور اپنے فروع (بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی اسی طرح نیچے تک) کو دینا درست نہیں اور بیوی اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے، باقی سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔[۵]

مسئلہ (۴۶) سادات کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔[۶]

مسئلہ (۴۷) زکوٰۃ وغیرہ کے دینے میں رشتہ دار اور غرباء کو مقدم رکھنا چاہیے کہ اس میں دو ثواب ہوتے ہیں۔[۷]

مسئلہ (۴۸) ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں نہ بھیجی جائے۔ البتہ اس شہر میں رشتہ دار ہوں یا زیادہ ضرورت مند لوگ ہوں یا وہاں لوگ دین کے کام میں لگے ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ کیوں کہ طالب علموں اور دیندار عالموں کو دینا بڑا ثواب کا کام ہے۔[۹]

مسئلہ (۴۹) اگر کسی نے حرام مال کو حلال کے ساتھ ملا دیا تو سب کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

مسئلہ (۵۰) جس مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یا زکوٰۃ واجب نہیں لیکن ضروری

(۳) بہشتی زیور ۳/۲۹ (۵) ہدایہ ۱/۱۸۵ (۹) ایضاً ۱/۱۸۶ (۷) ایضاً (۸) بہشتی زیور ۳/۳۲ (۱) ہدایہ ۱/۱۸۸ (۲) بہشتی زیور ۱/۱۱۴

اسباب سے زائد اس قدر مال ہے کہ اس کی قیمت ۵۲ء۵ تولہ چاندی کے مساوی ہو سکتی ہے تو اس پر عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب ہے۔ [۳]

مسئلہ (۵۱) عید کے دن فجر کے وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے بہتر ہے کہ عید کی نماز کو جانے سے قبل ہی ادا کر دے لیکن اگر نہیں کیا تب بھی بعد میں ادا کر دے۔ [۴]

مسئلہ (۵۲) عید کے دن سے پہلے کوئی ادا کر دے تو بھی ادا ہو جاتا ہے [۵]

مسئلہ (۵۳) صدقہ فطر صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر بیوی بچوں کی طرف سے بھی ادا کر دے تو ادا ہو جاتا ہے۔ [۶]

مسئلہ (۵۴) جس نے رمضان کے روزے رکھے صدقہ فطر اس پر واجب ہے اور جس نے کسی وجہ سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی واجب ہے۔ [۷]

مسئلہ (۵۵) صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔ [۸]

مسئلہ (۵۶) ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی فقیروں کو اور اسی طرح کئی آدمیوں کا ایک فقیر کو دے دینا بھی درست ہے۔

مسئلہ (۵۷) صدقہ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں۔



(۳) ہدایہ ۱۸۸/۱ (۴) ہدایہ ۱۹۱/۱ (۵) ایضاً (۶) ایضاً ۱۸۹/۱ (۷) بہشتی زیور ۳۵/۳ (۸) ہدایہ ۱۹۰/۱

نماز تراویح کی کتنی رکعتیں……؟

نماز تراویح میں بیس رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔ اور اس کی جماعت بھی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ نماز تراویح کی بیس رکعتیں ہونے پر ائمہ اربعہ نے اتفاق فرمایا ہے۔ نیز جمہور سلف و خلف کا اس پر مواظبت اور مداومت کے ذریعہ اجماع ہو چکا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک بیس کے علاوہ چھتیس کے بھی قائل ہیں۔ لیکن ان کے فقہ کی متون میں بیس ہی مذکور ہیں[۱]۔ اس کے علاوہ یہ سولہ زائد رکعتیں وہ حضرات انفراداً ادا کرتے یا تراویح بالجماعہ میں۔ اصلاً وہ بیس ہی کے قائل ہیں باقی سولہ نوافل و زوائد کے درجہ میں ہیں۔ اور اس کا سنت ہونا دلائل شرعیہ واضحہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ عبدالرحمن الجزیری فرماتے ہیں۔

> اور تراویح مع الجماعہ کا سنت مؤکدہ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ چنانچہ شیخین نے روایت کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی تیئیسویں پچیسویں اور ستائیسویں شب میں باہر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ پھر لوگوں نے باقی رکعتیں گھر جا کر پوری کیں"۔ اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آپ نے مسلمانوں کے لئے تراویح مع الجماعہ کو سنت قرار دیا دوسرے اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ تراویح کی رکعتیں صرف آٹھ ہی نہیں تھیں بلکہ اس سے زائد تھیں۔ اسی لئے تو یہ لفظ

لہ اختلاف امت اور صراط مستقیم ۲۰/۲

ذکر کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے باقی رکعتیں گھر جاکر پوری کیں۔ رہ گیا یہ سوال کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو آپ نے یہ نماز پابندی سے پڑھی ہے اور نہ ہی بیس رکعتیں، بلکہ صرف آٹھ رکعتیں آپ نے پڑھائی تھیں، اس کا جواب یہ ہیکہ سنت تو آپ نے پابندی سے بیس رکعت ہی قرار دی تھیں لیکن چونکہ آپ کو اس نماز کے فرض ہوجانے کا اندیشہ تھا اس لئے جماعت سے پابندی نہیں کرائی۔ جیسا کہ بعض روایات میں صراحتاً آیا ہے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے عملاً اس کی سنیت کو ظاہر فرمایا۔ اس طرح کہ لوگوں کو بیس رکعتوں پر جمع فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس سے اتفاق فرمالیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد دونوں خلفاء راشدین حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بلا اختلاف اس پر عمل فرماتے رہے۔ ادھر ابوداؤد کی حدیث اور بہت سی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرح خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی مضبوطی سے تھامنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اسی لئے جب امام ابوحنیفہ سے کسی نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے کس بنیاد پر یہ عمل جاری کرایا تو انہوں نے جواب دیا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے (کیونکہ) اس کو حضرت عمرؓ نے اپنے نفس کی خواہش سے نہیں جاری کیا اور نہ وہ بدعت کے جاری کرنے والے تھے بلکہ اس اصل اور دلیل کی بناء پر جاری کیا ہے جو ان کے پاس موجود تھی اور انہوں نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کے اجراء کا عہد کیا تھا۔[1]

اجماع صحابہ ہی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصول فقہ کی اہم اصل ہے۔ اور نماز تراویح اور اس کی بیس رکعتیں ہونے پر نہ صرف یہ کہ ان کا اجماع ہوا ہے بلکہ غیر مقلدین کو چھوڑ کر پوری ملت اسلامیہ بشمول ائمہ اربعہ نے اس پر اتفاق و اہتمام کے ساتھ عمل فرمایا ہے۔ اور آج بھی سارے عالم کے مسلمان شرقاً و غرباً اس کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ تعریفیں تمام اس بے نیاز ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ غیر مقلدین خود کو تو پاسبان دین اور مجتہد فی الاسلام تسلیم کرلیتے ہیں مگر خلفاء ثلاثہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ کے اجماع و اتفاق سے ثابت شدہ دین کے مسئلہ کو قبول کرنے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ بیک جنبش قلم رد کرکے اپنی ضد پر اڑے رہنا چاہتے ہیں۔ اور اسی ہٹ دھرمی و عناد کو دین کی بہت بڑی خدمت سمجھ کر سادہ لوح عوام کو بھٹکانے اور ان کا ذہن بگاڑنے کی ایک لاحاصل جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ دین کے اس اہم باب میں غیر مقلدین کی جانب سے بہت سی اوٹ پٹانگ باتیں شائع بھی کی جاتی رہتی ہیں۔ اور حسب عادت مخاطب پر رعب ڈالنے اور اپنی علاّمگی ظاہر کرنے کے لئے ایسی احادیث و آثار کے (جن کا نہ نفس مسئلہ سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ان کے دعوی کی دلیل بن سکتی ہیں) ڈھیر لگاتے رہتے ہیں اور انہیں پڑھ کر بعض عوام بیچارے بلا تحقیق اس کو قبول بھی کرلیتے ہیں۔ اس لئے عمومی استفادہ کے مدنظر ہم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے درس ترمذی کا ایک حصہ جو اس باب سے متعلق ہے پیش کرتے ہیں۔ یقین ہے کہ ایک متلاشی

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ للجزیری ۱/۳۴۱

حق کیلئے یہ مضمون نہایت کافی ثابت ہوگا۔ و ہو ہذا۔

یہ بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمائی تھیں۔ اس وقت صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمرؓ کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس پر عمل بھی کیا اور اس کے بعد تمام صحابہؓ و تابعینؒ اس پر عمل کرتے چلے آئے۔ یہ اس کی دلیل ہیکہ بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہوگیا تھا۔ اگر صرف تنہا اسی دلیل کو لیا جائے تو بالکل کافی ہے۔ کیونکہ اگر بیس رکعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ سے زیادہ بدعات کا دشمن کون ہوسکتا تھا؟ اور اگر بالفرض ان سے کوئی غلطی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جان دینے والے صحابہ کرامؓ اس کو کیسے گوارا کرسکتے تھے؟ یقیناً ان حضرات کے پاس نبی کریمؐ کا کوئی قول یا فعل موجود تھا۔ خواہ وہ ہم تک صحیح سند کے ساتھ نہ پہنچ سکا ہوگا اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع روایات سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے "المطالب العالیہ" میں مصنف ابن ابی شیبہؒ اور مسند عبد بن حمیدؒ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے"۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن اجماع اور تعامل صحابہؓ سے اس کی تائید ہونے کی بناء پر اس میں قوت آگئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث اس کے معارض ہے جس میں حضرت عائشہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان

فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور اس کے علاوہ بھی کبھی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے"۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہیکہ آپ رمضان میں بھی وتر کے علاوہ آٹھ رکعتوں سے زیادہ تراویح نہیں پڑھتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہیکہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ اس کے جواب میں غیر مقلدین یہ دعوی کرتے ہیں کہ نماز تراویح و نماز تہجد دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں دو قسم کی نمازیں الگ الگ پڑھتے ہوں۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ دعوی بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی ہمیشہ اول شب میں پڑھی گئی ہے جبکہ تہجد کی نماز آخر شب میں پڑھی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث باب میں تئیسویں پچیسویں اور ستائیسویں شب میں جو تراویح کی جماعت کا ذکر ہے ان تینوں راتوں میں اول شب میں تراویح پڑھی گئی۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی کبھی باقاعدہ جماعت نہیں فرمائی اور حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں تراویح کے لئے باقاعدہ جماعت ثابت ہے لہذا تہجد و تراویح کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے۔

حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہیکہ رمضان یا غیر رمضان آپ تہجد کی ہمیشہ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اس سے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ حضرت عائشہؓ کی دوسری روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان میں (عبادت میں) اتنی محنت فرماتے تھے جتنا غیر رمضان میں نہیں فرماتے تھے۔" اگر رمضان اور غیر رمضان میں بالکل کوئی فرق نہیں تھا تو یہ اور اس جیسی دوسری احادیث کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کے جواب میں بعض غیر مقلدین مذکورہ روایات کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس سے قیام کا طویل کرنا مراد ہے نہ کہ رکعتوں کا زیادہ کرنا۔ اولاً تو یہ بعید ہیکہ ساری رات میں آپ کل آٹھ رکعتیں ہی پڑھتے ہوں دوسرے مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ کی ایک راویت میں کثرت صلوٰۃ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جو اس توجیہ کی تردید کرتے ہیں اس لئے کہ یہ تکثیر تہجد میں تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماچکی ہیں کہ رمضان وغیر رمضان میں تہجد کی رکعات میں اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ لامحالا یہ تکثیر تراویح کے ذریعہ تھی۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے جس طرح بیس رکعات تراویح مروی ہے اسی طرح گیارہ تیرہ اور اکیس رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہیکہ کہ یہ ابتداء کا واقعہ ہے جب کہ صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے بیس رکعت پر عمل کا استقراء اور اجماع نہیں ہوا تھا۔ جس کی دلیل یہ ہیکہ جب سے بیس رکعات شروع ہوئیں اس کے بعد سے تمام صحابہؓ و تابعینؒ کا تعامل اسی پر جاری ہوگیا اور ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہوگئے۔ لہذا استقراء امر سے پہلے کی روایات سے استدلال کرنا اصول کے خلاف ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ؎

؎ درس ترمذی علامہ تقی العثمانی ۲/۶۵۸ تا ۶۰۵

ان تمام تفصیلی دلائل کے ذریعہ یہ بات کافی حد تک روشنی میں آچکی ہے کہ تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا اور اس کی ۲۰ رکعات پر اجماع ہونا ہی صحیح اور ثابت ہے۔ اس کے بعد اگر کسی کو کچھ اشکال ہو اور دل مطمئن نہ ہو تو تفہیم کی آخری سعی کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ ظاہر حدیث ہی پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور آپ کا یہ دعویٰ حیلہ بد کے طور پر نہیں بلکہ سچا ہے تو آئیے ان احادیث کا مطالعہ کریں کہ خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ کے تعامل پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں "جو شخص تم میں سے میرے بعد جیتا رہا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ نئی نئی باتوں سے احتراز کرو۔ کیوں کہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ ؎

پس غور فرمایا جائے کہ اس حدیث میں ہر نئی بات کو بدعت اور گمراہی قرار دے کر اس سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ میرا طریقہ تو سنت اور نجات دہندہ ہے ہی۔ میرے خلفاء راشدین کی سنت بھی واجب الاطاعت اور لائق تمسک ہے اسی طرح جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجب الاطاعت ہے۔ پھر کسی کی کیا جرائت وجسارت ہیکہ تراویح کے اس مروجہ عمل کو جو تین خلفاء راشدین کے تعامل اور کثیر صحابہؓ کے اجماع سے جاری ہوئی ہے بدعت قرار دے کر انکار حدیث کا مجرم ہو؟

ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میری زندگی کتنی باقی رہ گئی ہے (اس لئے میں تم لوگوں کو تاکید کردیتا ہوں کہ)

؎ مشکوٰۃ ۱/۳۰

میرے بعد تم لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کی اتباع کرو۔"[ل] نیز آپ کا ارشاد ہے کہ تم سے پچھلی امتوں میں بعض بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ انھیں منجانب اللہ کچھ باتیں القاء کی جاتی تھیں اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہے تو وہ عمرؓ ہے" یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ یقیناً عمر کی زبان سے حق کو جاری کرایا ہے اور وہ حق ہی بولتے ہیں"۔ یہ ہیں وہ خوبیاں حضرت عمرؓ کی جن کی بناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے بعد ان کی اتباع کا امر فرمایا ہے۔ اب ایک طرف تین خلفاء راشدین اور کثیر صحابہؓ "ائمہ اربعہ" اور ان کے تمام صالح مقلدین متقدمین متاخرین دوسری جانب تنہا حضرت ابن تیمیہ اور ان کے نام لیوا غیر مقلدین!! آپ ہی فرمادیں کہ حق و صواب کس کی طرف ہو سکتا ہے۔؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

محمد عبد القوی



ل مشکوۃ ۲/۵۶۰

ترویحہ کے مسائل

آجکل یہ وبا عام ہو گئی ہے کہ لوگ ان احکام سے مطمئن نہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں اور جس پر سلف سے خلف تک صحابہ کرام اولیاء عظام، علماء و محدثین اور سلف صالحین عمل کرتے آرہے ہیں۔ انہیں اس بات کی ہوس و حرص ہو گئی ہے کہ دین کے ہر معاملہ میں خانہ ساز اور نام نہاد اضافے کئے جاویں۔ انکی نئی شکل و صورت بنائی جائے، اپنے منشاء اور خواہش کے سانچے میں ڈھال کر اس پر عمل کیا جائے۔ اس مزاج کے لوگوں کے نزدیک سلف صالحین ..... جو کہ دین و شریعت کی حقیقت و مزاج کو ہم سے زیادہ سمجھے ہوئے، ذوق علم و شوق عمل، لیاقت و استعداد کی پختگی اور دیانت و تقوی کے کمال میں بلاشبہ و بلاتشبیہ ہم سے بہت فائق و لائق تھے..... کی اتباع اور ان پر اعتماد کو دقیانوسیت اور خلاف شان تحقیق سمجھا جاتا ہے۔ اور رسم و رواج کی ہاں میں ہاں ملانا، عوام الناس کے رنگ ڈھنگ اور تقاضائے عادات سے مرعوب ہو کر ان کے آگے ہتھیار ڈال دینا بڑی خوبی و کمال کی بات تصور کی جاتی ہے۔ یہ حضرات مسائل کو قرآن و حدیث سے رجوع کر کے انکی روشنی میں عمل کرنے کے بجائے قرآن و حدیث کو عرف و عادات اور رواج و سماج کی روشنی میں حل کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن و حدیث اور احکام شرع کو اپنا پابند بنانا چاہتے ہیں۔

میں سچ عرض کرتا ہوں جب سے امت مسلمہ اس مزاج کی حامل اور اس منہاج کی سالک ہوئی ہے پورے دین اسلام کا حلیہ و نقشہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ایک طبقہ نے تو مستقل اپنا مشغلہ یہ بنا رکھا ہے کہ بدعات و خرافات اور رسم و رواج کی سرپرستی و حمایت دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح

بن پڑے لڑتا رہے۔ تصنع اور تکلف کے ساتھ دور از کار تاویلات اور بے تکے دلائل کے انبار ان بدعات کے شیوع و پھیلاؤ کی خدمت میں جھونکنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور امت کو جہالت و ضد کی عمیق و تاریک غار میں ڈھکیلتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ پاک نے ان پر قوم کی اصلاح و ہدایت کی نازک و گراں بار ذمہ داری ڈالی تھی۔ جسکی مسئولیت کے احساس سے ذمہ دار علماء و مشائخ کانپ اٹھتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ۔ (۱)

آپ نے جو رسالہ "مسائل شرعیہ" کے نام سے (اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کا مطبوعہ) جواب لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس کا اور ناشر کا نام دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ شاید کوئی اہم تحقیقی مقالہ ہوگا۔ مگر اسکے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کے مصداق ہے۔ اور کم از کم مجھے تو اس رسالہ پر "اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن" کا پر وقار و بھاری بھر کم جملہ انتہائی بے تکا اور لفظ "ریسرچ" (تحقیق) کی توہین معلوم ہوتا ہے۔ ناشرین نے "ریسرچ" تو کجا "ریڈنگ" کی زحمت بھی گوارا نہیں کی ہے۔ جسکی مثالیں میں زیر بحث مسئلہ کی تحقیق سے نمٹنے کے بعد پیش کرونگا انشاء اللہ

یہ تو سب کو معلوم ہیکہ احکام شرع کے ثبوت کے لئے فقہاء کرام نے جو اصول متعین فرمائے ہیں وہ چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس (۲)۔ پھر ان میں بھی اصلاً کتاب و سنت ہی ماخذ حقیقی ہیں اور اجماع و قیاس ان کے تابع اور مخصوص شرائط کے ساتھ علی الترتیب اصل ثالث و رابع ہیں (۳)۔ پس جو عمل ان اصول اربعہ میں سے کسی بھی اصل سے ثابت ہو، خواہ ہمیں ناپسند و ناگوار ہی ہو وہ دین و شریعت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسکی حکمی حیثیت قوت ثبوت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اور جو عمل ان میں سے کسی اصل سے ثابت نہ ہو وہ دین سے خارج ہے۔ خواہ فی نفسہ کتنا ہی بھلا کیوں نہ

معلوم ہو۔ اس وضاحت کے بعد مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہیکہ "ترویحہ" اور اسکا حکم کیا ہے؟

ترویحہ کا لغوی معنی مطلقاً بیٹھنے کے ہیں (۴)۔ اور اصطلاح شرع میں نماز تراویح کے ہر چار رکعت کے بعد والے وقفہ استراحت پر اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے خود نماز تراویح کا نام "تراویح" ہوا (۵)۔

شریعت میں اسکی اصل و حقیقت بس اسی قدر ہیکہ رمضان المبارک کا "قیام لیل" چونکہ اپنی خاص فضیلت کے اعتبار سے دوسرے ایام کے مقابلہ میں طویل ہونا چاہئے جسکے لئے شارع نے ایک خاص نماز امت کو مرحمت فرمائی۔ اور اس میں افضل اور مسنون یہی ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ تو کلام اللہ شریف پورا کیا جائے (۶) اور آداب و شوق کی رعایت اگر رہے تو مزید طوالت قیام یعنی ایک سے زائد مرتبہ قرآن کا سننا سنانا بھی پسندیدہ ہے۔ اسلئے اس نماز میں مصلیوں کے آرام و راحت کی رعایت کرتے ہوئے ہر چار رکعت پر ایک "وقفہ استراحت" رکھا گیا۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف بھی یہی تھا جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے۔ (۷)

پھر صحابہ کرام جنھوں نے اس عبادت کو باقاعدہ باجماعت جاری فرمایا تھا ان کا عمل بھی اسی طرح کا تھا کہ وہ چار رکعات پر کچھ آرام لے لیتے تھے (۸)۔

جہاں تک اس "ترویحہ" کی مقدار کا معاملہ ہے تو فقہاء نے صراحت فرما دی ہے کہ اسکی مقدار اصلاً اس قدر ہے جتنا وقت چار رکعات کے پڑھنے میں صرف ہوا۔ ہاں اگر مصلیوں کو اتنا وقت گراں محسوس ہو تو اس میں امام تخفیف بھی کر سکتا ہے۔ (۹)

یہاں تک تو متفق علیہ گفتگو تھی جس میں غالباً کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ زیر بحث بات اس سے آگے کی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس "وقفہ استراحت"

بیں کیا کیا جائے ؟ اور یہی سوال ہمارے ہاں خواہ مخواہ انتشار و افتراق کا سبب بن گیا ہے۔ خواہ مخواہ اس لئے کہ اس کا جواب بالکل واضح اور ظاہر ہے جس میں نہ کچھ پیچیدگی ہے اور نہ ہی کچھ ابہام۔

اسلئے کہ فقہائے کرام اس موقع پر ہمیشہ یہی لکھتے آرہے ہیں کہ اس میں مصلی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے راحت و سکون حاصل کرے۔ اور یہ اتنی صاف بے غبار بات ہے کہ ایک بچہ بھی اسکو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب یہ وقفہ رکھا ہی استراحت کے لئے گیا ہے تو اس میں آرام لیا جانا چاہئے۔ اور بریلوی مکتب فکر کی مستند کتاب "بہار شریعت" میں بھی یہی مذکور ہے (۱۰)۔

پھر آرام جس کو جس میں ملے۔ جس کا جی چاہے تلاوت کرلے جس کا جی چاہے ذکر کرے۔ کوئی چاہے درود شریف پڑھے۔ کوئی نفل پڑھنا چاہتا ہو وہ پڑھ لے کوئی خاموش بیٹھ کر ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے تو کرلے تاکہ اگلی رکعتوں کے لئے نشاط و تازگی پیدا ہوجائے۔ غرض ہر مصلی مختار ہے کہ اپنے اختیار و پسند کا جائز اور مناسب انفرادی عمل منتخب کرلے اور اس پر عمل کرتا رہے۔ پھر جب چاہے اسکو تبدیل کرلے کسی اور عمل کو اختیار کرلے۔ کسی عمل کا وہ شریعت کی جانب سے فرداً بھی پابند نہیں چہ جائیکہ کسی اجتماعی عمل کو اس پر مسلط کیا جائے (۱۱) کبھی کبھار بلا پابندی اگر کوئی عمل ہوجائے۔ مثلاً وعظ کہدیا جائے تو خیر اس میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم پابند اس کا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ خود جامعہ نظامیہ کے ریسرچ فاؤنڈیشن یعنی تحقیقاتی ادارہ "مجلس اشاعت العلوم" ..... جسکے بانی بانی جامعہ نظامیہ ہی ہیں..... کی جانب سے آج سے (۴۸) اڑتالیس سال پہلے شائع شدہ کتاب "حمایت الصلوۃ" میں لکھا ہے "دو دو کر کے جب چار رکعتیں پڑھلی جائیں تو چار رکعت کی مقدار آرام سے بیٹھ کر ذکر الٰہی، درود شریف یا دعا وغیرہ پڑھنا

چاہئے" (۱۳)۔ اس زمانے کے رائج عمل کا کہیں ذکر نہیں کیا اور جو فقہاء نے نقل فرمایا ہے کہ اہل مکہ کا تعامل ترویحہ میں طواف کا اور اہل مدینہ کا نوافل کا ہے (۱۴)، سو اسکو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اولاً تو یہ کہ یہ ان کے انفرادی عمل ہیں، گو سب اپنے اپنے طور پر ایک عمل کریں تو بظاہر اجتماعی ہی محسوس ہوتا ہو۔ ثانیاً اہل مکہ کے طواف کرنے کی وجہ دوسری بھی ہے وہ یہ کہ حرم شریف میں موجود آدمی کے لئے نوافل میں سب سے افضل عمل طواف کعبہ ہی ہے۔ پھر یہ نعمت اس جگہ کے علاوہ کہیں اور میسر بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ ایک ترویحات ہی میں کیا؟ فرض نمازوں کے علاوہ ہر وقت یہاں طواف کیا جاتا رہتا ہے۔ اور اہل مدینہ کا نفلوں والا تعامل ابتداءً امام مالکؒ کے مسلک کی وجہ سے رہا ہوگا۔ کیونکہ ان کے ہاں تراویح کی چھتیس رکعتیں ہیں (۱۵)۔ بیس مع الجماعت اور سولہ بلا جماعت (یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا اجتماع یہ اضافہ فرمایا تھا) چنانچہ اب جب کہ وہاں مالکیوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ ہر مسلک کے مسلمان موجود رہتے ہیں تو ترویحہ میں اسکی پابندی بھی اس طرح قائم نہیں رہی۔ لوگ دوسرے اعمال کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہیکہ ان کے ان اعمال سے کسی فرد کی آزادی متاثر نہیں ہوتی۔ پھر ان سب تفصیلات کے صرف نظر ان کا یہ تعامل ہمارے لئے حجت بھی نہیں (۱۶)۔ پس اہل مکہ یا اہل مدینہ کے تعامل پر قیاس کرکے تسبیحات اور خلفاء راشدین کے نام ترویحوں میں اجتماعاً پکارنے کے مروجہ نامعقول عمل کے جواز کا فتوی دینا عقل و دیانت کا خون کرنا ہے۔

دوسرا مسئلہ ہے خلفاء راشدین کے نام پکارنا

تمام صحابہ کرامؓ محترم اور مکرم ہیں۔ ان میں خلفاء راشدین بلاشبہ ایک عظیم مرتبہ کے حامل ہیں۔ ان کے نام بھی مبارک ہیں کام بھی۔ لیکن ان کے اسماء گرامی

کا اس طرح ورد کرنا محض لغو اور بالکل بے معنی ہے۔ شریعت نے ان کے اتباع کی تعلیم تو دی ہے لیکن ان کے اسماء مبارکہ کے نعرے لگانے کا کوئی تصور امت کو نہیں دیا۔ اس عمل کے ثبوت کے لئے ایک بات زیر بحث فتوی میں یہ کہی گئی ہے کہ "اس سے ترتیب خلافت راشدہ کا اظہار اور منکرین ترتیب کا رد مقصود ہے" (۱۷)۔ اس معصومیت اور بھولے پن کے قربان جائیں، کیسا بے تکا استدلال پیش کیا گیا ہے۔ آپ غور فرماویں پہلے تو خود ان پکارنے والوں کو پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ دوسرے جن کا رد کرنا چاہتے ہیں ان میں سے وہاں کوئی موجود نہیں ہوتا۔ تو اس اظہار کی ضرورت ہی کیا پیش آئی۔ پھر آپ ہزار بار اس ترتیب کا اظہار فرماویں اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس میں پیدا ہو رہا ہے کہ اسے نماز تراویح کا جز کس بنیاد پر اور کس دلیل شرعی سے بنایا گیا ہے؟

دوسری دلیل عند ذکر الصالحین تنزل الرحمہ سے پیش کر کے اسے موجب برکت و ثواب قرار دیا ہے (۱۸) حیرت ہوتی ہے کہ اس روایت کے ذریعہ اس کا ثبوت کیسے ہو گیا کہ ترویحات خمسہ میں خلفاء راشدین کے اسماء گرامی پکارے جائیں۔ حد یہ ہیکہ "ذکر صالحین" کا مفہوم تک مد نظر نہیں رکھا گیا۔ صالحین میں بلاشبہ خلفاء راشدین سب سے اول درجہ رکھتے ہیں مگر ذکر سے مراد ان کے احوال، مجاہدات، ایثار و قربانی وغیرہ کا تذکرہ کر کے اس سے عبرت حاصل کرنا ہے؟ یا ان کا "نام جپنا" مقصود ہے، اور اگر ان حضرات کے نزدیک نام کے نعرے ہی مقصود ہیں تو ایک خلفاء راشدین کی خصوصیت کیا ہے، بدل بدل کر دوسرے صالحین کے نام بھی لئے جانے چاہئے۔ کیا یہ حضرات ان کے علاوہ کسی کو صالح نہیں مانتے؟! اصل بات بس اس قدر ہیکہ وہ "بدعت" کی کسی طرح حفاظت چاہتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہیکہ "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ

سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت نہ سمجھنے لگیں۔ اور جب کوئی بدعت کہیں چھوٹتی ہوئی دیکھیں تو واویلا مچانے لگیں کہ سنت چھوٹ رہی ہے۔ (۱۹) اور سنتیں چھوٹنے کا کوئی غم نہ کریں۔" اعاذنا اللہ منہم۔

تیسرا مسئلہ ہر ترویحہ کے بعد دعا کرنا

(الف) دعا عبادت کا مغز ہے (۲۰)۔ جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر خفاء ہوتے ہیں (۲۱)، اور بے شمار فضائل ہیں اس مبارک عمل کے۔ لیکن شریعت میں دعا کی عمومی تعلیم تو ہر ہر کام کے وقت دی گئی ہے اور خاص طریقہ خاص موقعوں پر مشروع ہوا۔ نمازوں کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ اہمیت ہے۔ اسلئے اس وقت بس لوگ دعا کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا چاہئے۔ لیکن دو باتیں اس جگہ سمجھنے کی ہیں۔ تراویح مکمل بیس رکعات مشروع ہوئی ہیں۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے (۲۲) اور پڑھی بھی بیس جاتی ہیں۔ اس لئے فقہاء نے اختتام تراویح پر دعا کو مستحب قرار دیا ہے (۲۳)۔ ہر چار رکعت پر دعا کا ذکر کتب فقہ میں نہیں ملتا۔ اسی لئے اس میں مصلیوں کو اختیار ہے کہ دوسرے اعمال کی طرح اپنے لئے خواہ دعا کو پسند کرلیں۔ مگر یہاں سوال اسکی عادت بنالینے اور عملاً ایک مخصوص ڈھنگ سے لازم کرلینے کا ہے۔ اور اسکے لئے ثبوت چاہئے جو ندارد ہے۔ صاحب فتوی نے اس کے ثبوت کے لئے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "ممانعت مصرح نہیں ہے" (۲۴)۔ ممانعت اگر مصرح نہیں ہے تو استحباب بھی تو منقول نہیں ہے۔ جبکہ انہوں نے استحباب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ب) عام طور پر یہاں کے مسلمان حنفی ہیں۔ اور احناف کے ہاں دعا میں "اخفاء" افضل ہے (۲۵)۔ حتی کہ نماز میں ولا الضالین کے بعد آمین کے بالجہر یا بالسر کہنے کی جو معرکہ آرائی ہے اس میں فقہاء احناف لانہ دعاء کہہ کر اسکے سراً

ہونے کو راجح قرار دیتے ہیں۔ خود قرآن میں ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ (۲۷) فرمایا گیا ہے۔ یعنی "اپنے پروردگار کو عاجزی و تضرع کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو"۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر اس طرح فرمایا اذ نادی ربہ نداء خفیا۔ "اور وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا تھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں بعض صحابہ کو زور سے تکبیر پکارتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا کہ "لوگو اپنے اوپر نرمی سے کام لو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں سنا رہے ہو (۲۸)"۔ معلوم ہوا کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ معمولاً تو چپکے سے کی جائے اور تعلیماً کبھی کبھی جہر سے کی جائے تو البتہ حرج کی بات نہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ابن جریجؒ اور ابوبکر جصاصؒ کے حوالے سے سورہ اعراف آیت ۵۵ کے تحت نقل کیا ہے کہ دعا آہستہ کرنا افضل ہے اور زور سے مکروہ ہے (۲۹)۔ اور جہاں تک حاکم کی روایت (۳۰) کا تعلق ہے وہ اصولی اعتبار سے اس موقعہ پر حجت نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو فقہاء اس موقع پر اس کا ذکر ضرور فرماتے۔ نیز اس روایت کے مقابلہ میں دوسری روایات بلکہ آیات قرآنیہ موجود ہیں۔ اس زمانے میں تو اکثر ائمہ حضرات تک ان پڑھی جانے والی دعاؤں کے معنی سے بے خبر رہتے ہیں، مصلیاں کا کیا کہنا! یہ تو اللہ معاف فرمائے اکثر جگہوں پر بس ایک تماشہ سا ہو گیا ہے کہ امام جھوم جھوم کر اور راگنیں نکال کر کچھ دعاؤں کی تلاوت کر دیتے ہیں اور مقتدی آمین پڑھتے رہتے ہیں، نہ انہیں کچھ خبر نہ انہیں کچھ احساس! کہیں دعا (اللہ کو حاجت براری کے لئے پکارنا) ایسی ہوا کرتی ہے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ غفلت ولاپرواہی سے کی جانے والی دعاؤں کو قبول نہیں فرماتا" (۳۱)۔ ایسی رسمی دعاؤں سے تو کچھ تلاوت کر لینا یا ذکر کر لینا بہتر ہے کہ اس میں اللہ پاک کا کلام پڑھنے اور ان کا نام لینے کا کچھ ثواب تو مل جاتا ہے

ہماری اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ ہر ترویحہ میں دعا کا اہتمام ثابت نہیں۔ ختم نماز کے بعد منقول و معمول ہے، اور موجودہ رواجی طریقہ تو فرض نمازوں کے بعد بھی قابل اصلاح ہے (۳۲)۔

چوتھا مسئلہ نماز تراویح کے بعد مصافحہ کرنا

مصافحہ ملاقات کے وقت بالاتفاق مسنون ہے اور رخصت کے وقت باختلاف جائز ہے (۳۳)۔ پھر اس میں وسعت و گنجائش بھی ہے کہ ہر کسی ملاقات پر کر لیا جائے۔ لیکن نمازوں کے بعد ملاقات کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اگر مسجد سے باہر نکل کر آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات و مصافحہ کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔ اعتراض صرف اس پر ہے کہ نمازوں کے فوراً بعد (خواہ فجر و عصر ہو یا تراویح) جس طرح بالالتزام مصافحہ کا رواج ہے، وہ دیکھنے والے کو بظاہر نماز کا ایک جزو رکن محسوس ہوتا ہے۔ جبکہ یہ نماز کی ہئیت میں ایک طرح کی زیادتی و اضافہ ہے جو از روئے اصول شرعیہ "بدعت" قرار پاتا ہے۔ پھر اس سے پہلے عام طور سے سلام بھی نہیں کیا جاتا، جبکہ مصافحہ بغیر سلام کوئی چیز ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں مصافحہ کو "متم تحیہ" (۳۴) یعنی سلام کا تکملہ قرار دیا گیا ہے۔ جب سلام ہی نہیں تو تکملہ کے کیا معنی؟ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم سلام بھی کرتے ہیں مصافحہ بھی، تب بھی یہی کہا جائے گا کہ سلام بھی ملاقات کے آداب اسلامی میں سے ہے اور اس وقت ملاقات تو نہیں ہوتی۔ ملاقات اکثر نماز سے پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔ نیز اس رواج کے عادی لوگوں کے طرز عمل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ نمازوں کے بعد مصافحہ بربناء ملاقات نہیں کرتے بلکہ لاعلمی سے اس کو اس وقت کا عمل شرعی سمجھ کر کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ دو آدمی جو ساتھ گھر سے چلے، ساتھ ہی مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوئے، وہ بھی بعد

ختم نماز کے آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اسے ان نمازوں ہی سے متعلق ایک مستحب عمل سمجھتے ہیں۔ جس کا غلط اور بے بنیاد ہونا بالکل واضح و ظاہر ہے۔ اب آپ ہی سوچئے کہ علماء کرام کا کام ایسے غلط اعمال و عادات کی اصلاح کرنا ہے یا ان کی عرف و عادت کا بہانہ بنا کر غیر ضروری تاویلات کے ذریعہ حمایت کرنا ہے؟ بنی اسرائیل کے علماء میں یہی کوتاہی تو تھی کہ وہ عوام کے مزاج اور سماج کی عادتوں کو احکام الٰہی کی حفاظت پر مقدم رکھا کرتے تھے اور آج بھی ایک طبقہ یہی کچھ کر رہا ہے۔

حوالہ جات

(۱) فاطر:۵۵
(۲) قاموس الفقہ:۱/۳۳۶
(۳) اصول فقہ: ص۸ بحوالہ المدخل
(۴) المعجم الوسیط: ص ۲۸۰
(۵) الفقہ علی المذاہب الاربعہ:۱/۳۳۲
(۶) ہدایہ:۱/۱۳۱
(۷) سبل السلام شرح بلوغ الام ۲/۱۱
(۸) الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ۳۳۳
(۹) الفتاوی العالمگیریہ:۱/ ۱۱۵
(۱۰) بہار شریعت
(۱۱) الفتاوی العالمگیریہ:۱/ ۱۱۵)
(۱۲) امداد الاحکام:۱/ ۵۳۹
(۱۳) حمایت الصلوۃ:۱/ ۲۰۳
(۱۴) ہدایہ:۱/۱۳۱
(۱۵) درس ترمذی:۲/ ۱۵۲
(۱۶) امداد الاحکام:۱/ ۵۳۹
(۱۷) مسائل شرعیہ ص:۷
(۱۸) ایضاً: ص:۷
(۱۹) اقوال سلف: ص:۱۵
(۲۰) مشکوۃ:۲/ ۵
(۲۱) ایضاً:۲/ ۹
(۲۲) درس ترمذی:۲/ ۱۵۲
(۲۳) فتاوی محمودیہ
(۲۴) مسائل شرعیہ: ص:۱۱
(۲۵) فتاوی محمودیہ ۲/ ۳۵۹
(۲۶) الاعراف:۵۵
(۲۷) مریم:۳
(۲۸) مشکوۃ:۲/ ۲۶
(۲۹) معارف القرآن:۳/ ۵۷۹
(۳۰) مسائل شرعیہ: ص:۱۱
(۳۱) ترمذی کذا فی المشکوۃ:۲/ ۷
(۳۲) معارف القرآن تحت آیت ۵۵ الاعراف
(۳۳) امداد الفتاوی:۲۰۸